ت کو نظر انداز کر جاتے ہیں کہ ۱۹۸۶ء میں مسلم پرسنل لا کے خلاف سپریم کورٹ کے فیصلے، ۱۹۸۰ء کے مراد آباد فساد کی تحقیقاتی رپورٹ، اور ۱۹۸۷ء میں ملیانہ اور ہاشم پورہ میں پی، اے، سی کے بہیمانہ اور وحشیانہ اقدامات کے پس پشت در اصل ایک ہی ذہن کام کر رہا ہے۔ اور یہ ذہن، اقلیتوں، خاص مسلمانوں کے انفرادی تشخص، ان کے مساوی سماجی مقام، اور برابری کے شہری حقوق میں سے کسی ایک چیز کو بھی تسلیم کرنے کا روادار نہیں ہے۔ وہ ایک سیکولر ریاست کے سیکولر آئین کے نیچے، اکثریت کی نسلی برتری اور تہذیبی اور مذہبی غلبہ کے حکومت اور حکومت کے تعاون سے ایک ایسا استحصالی سماج قائم کرنے کا خواہاں ہے، جس میں اکثریت کے مذہب کے علاوہ کسی دوسرے مذہب کی تعلیمات، اکثریت کی تہذیب اور زبان کے علاوہ کسی دوسری اقلیت کی زبان اور تہذیب اور اکثریت کی معاشی اجارہ داری کے سامنے کسی دوسری اقلیت کے معاشی طور پر ترقی کرنے اور پھلنے پھولنے کی گنجائش نہیں ہے۔

بلاشبہ یہ ایک ایسی صورتِ حال ہے، جس نے اقلیتوں کے وجود کے بقاء اور تشخص کے تحفظ کا بنیادی سوال پیدا کر دیا ہے، لیکن اس صورتِ حال کو کم کر کے دیکھنے اور اس سے غافل ہونے کا مطلب یہ ہوگا کہ ہندوستان کی اقلیتیں، اس بنیادی نظریے کو نظر انداز کر کے بعض فروعی باتوں میں الجھ جانے کی تباہ کن غلطی کا شکار ہو جائیں، جو در اصل ان کی بقا، اور اُن کے وجود سے متعلق ہے، اور جس کی طرف جلد از جلد توجہ کر کے، علاج سوچنے کے علاوہ کوئی دوسری صورت ان کے سامنے موجود نہیں۔

دہلی کی امن و امان کی صورت، اور عام حالات، اس وقت ۱۹۴۷ء

© rasailojaraid.com

سے بھی بدتر ہیں، آئے دن کے فسادات، شورش اور ہنگاموں کی وجہ سے پرانے شہر میں، کرفیو، نقل وحمل کی مجبوری، آنے جانے پر پابندی معمول کی ایک بات ہو کر رہ گئی ہے، برہان کی اشاعتوں میں تاخیر اور بدنظمی بھی ان ہی اسباب کی بنا پر ہو رہی ہے، اس لئے قارئین سے درخواست ہے کہ وہ ہماری مجبوری کا احساس کرکے، اسے کسی اداری غفلت اور نااہلی پر محمول نہ کریں۔ برہان کا 'مفکر ملت' نمبر بھی، اسی بے یقینی اور پریشانی کی وجہ سے اب تک ترتیب اور تکمیل کے مراحل طے نہیں کرسکا۔ قارئین سے ہماری درخواست ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ دہلی والوں کا یہ دورِ ابتلا ختم ہو، اور حالات جلد از جلد معمول پر آجائیں۔

ہندوستانی مسلمانوں کی سیاسی کروٹوں
کی تنقیدی اور تنقیحی دستاویز

افکار و عزائم

مصنف: جمیل مہدی

قومی اور بین الاقوامی، اور ملی مسائل کا ایک آئینہ
ماضی کے پس منظر میں مستقبل کی جانب پیش رفت

قیمت: ننلو روپے

آج ہی اپنا آرڈر اس پتہ پر بھیجیں اور استفادہ حاصل کریں

منیجر مکتبہ برہان، اردو بازار، جامع مسجد دہلی ۱۱۰۰۰۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"اختر کے فارسی دیوان کا ایک نادر مخطوطہ"

ڈاکٹر شریف حسین قاسمی، شعبۂ فارسی
دہلی یونیورسٹی دہلی - ۷

صاحب نظر محققین نے ہندوستان کی مختلف لائبریریوں میں محفوظ بے شمار فارسی مخطوطات کا علمی و ادبی جائزہ لیا ہے۔ بعض کتابخانوں کی فہرستیں بھی شائع ہو چکی ہیں۔ ان میں سے کچھ تفصیلی ہیں اور کچھ مختصر طور پر مخطوطات کا تعارف کراتی ہیں۔ ان اہم کوششوں کے باوجود ہمارے ان کتابخانوں میں ایسے مخطوطات موجود ہیں جن کا تعارف اس طرح نہیں ہو سکا جس کے وہ مستحق ہیں۔ اسی طرح بعض مخطوطات کے انتساب میں بھی اشتباہ ہوا ہے۔ زیر نظر مضمون میں ایک ایسے ہی مخطوطے کا تعارف کرایا جا رہا ہے جسے فہرست نگار نے اشتباہاً ایک ایسے شاعر سے منسوب کر دیا ہے جس کا اس دیوان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ مخطوطہ اختر کے فارسی کلام پر مشتمل ہے۔

قاضی محمد صادق خاں[1] متخلص بہ اختر انیسویں صدی عیسوی کے ایک اہم اور نامور فارسی شاعر و ادیب تھے۔ یہ ۱۲۰۱ھ/۷-۱۷۸۶ء میں ہگلی (کلکتہ) میں پیدا ہوئے[2]۔ ان کے آبا و اجداد ترکستان سے دہلی آئے اور اس کے بعد اس خاندان کے افراد نے بنگال کو اپنے مستقل قیام کے لئے منتخب کر لیا۔ اس خاندان کے مختلف افراد نے عدلیہ میں خدمات انجام دیں[3]۔ خود اختر کے والد محمد لعل ہگلی میں قاضی کے عہدے پر فائز تھے[4]۔ اسی وجہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے محمد صادق خاں اختر کے نام کے ساتھ بھی قاضی کے لفظ کا اضافہ نظر آتا ہے۔ ناصر کا بہر حال خیال یہ ہے کہ قاضی اختر کا سلسلۂ نسب خواجہ عبداللہ احرار تک منتہی ہوتا ہے۔ قاضی اختر نے ایک تذکرہ آفتاب عالمتاب[4] ترتیب دیا جس میں اوائل سے اپنے دور تک فارسی شعرا کے حالات قلمبند کئے ہیں۔ قاضی اختر نے اپنے اس تذکرے میں اپنے اور اپنے خاندان کے بارے میں کچھ نہیں لکھا ہے۔ قاضی محمد صادق اختر کی زندگی علمی اور کسبِ معاش کے لئے جدوجہد کی ایک عجیب داستان ہے، لیکن یہ سرگذشت ہمیں مختلف ذرائع سے مکمل کرنی ہوگی۔ ان ذرائع میں کچھ خود اختر کی تصانیف بھی ہیں اور بعض دوسرے معاصر اور بعد کے مؤلفین کی کاوشوں کا نتیجہ ہیں۔ ان میں بعض مؤلفین کے بیانات ایک دوسرے سے مختلف بھی ہیں۔ بہر حال اس وقت مختلف دستیاب مآخذ سے اختر کی زندگی کی سرگذشت پیشِ خدمت ہے لیکن اختصار ملحوظ ہے۔

اختر نے اپنا وطن ہگلی کب اور کن حالات میں چھوڑا، اس کا علم نہیں ہو سکا وہ بہر صورت ۱۲۲۶ھ/ ۱۸۱۱ء میں لکھنؤ میں مقیم تھے[5] اس وقت ان کی عمر پچیس چھبیس برس کی تھی۔ اسی زمانے میں اختر نے محمد علی شاہ کے اشارے پر حدائق الارشاد تالیف کی[6]

ناصر کا خیال ہے کہ اختر لکھنؤ میں منشی کے فرائض انجام دے رہے تھے کہ غازی الدین حیدر (متوفی: ۱۲۴۳ھ/۱۸۲۷ء) نے انھیں ایک ہزار روپیہ کی تنخواہ پر تصنیف و تالیف کی ذمہ داری سپرد کی[9]۔ اختر خود اپنی کتاب محامد حیدریہ میں اس کے برخلاف یہ لکھتے ہیں کہ "وہ غازی الدین حیدر کی تخت نشینی کی خبر سن کر ۱۲۳۵ھ/۲۰-۱۸۱۹ء میں لکھنؤ آئے[10] غازی الدین حیدر نے ان کی قدردانی کی[11] اور انھیں ملک الشعرا کے خطاب سے نوازا[12]۔ غازی الدین حیدر نے اختر کو ملک الشعرا کا خطاب دیا تھا یا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اکبر علی سرہندی متخلص بہ اختر سے منسوب کیا ہے[۲۵]۔ لیکن فہرست نگار کا یہ خیال درج ذیل اسباب کی بنا پر بے بنیاد ثابت ہوتا ہے اور پتا چلتا ہے کہ یہ دیوان قاضی محمد صادق اختر کی شاعرانہ کاوشوں کا نتیجہ ہے۔

اس دیوان میں صاحبِ دیوان قتیلؔ کو اپنا اُستاد تسلیم کرتا ہے۔ اپنے اُستاد قتیل کی ذہنی عظمت اور اُن کی عظمت اور اُن کی تربیت سے اپنے فن میں جا بجا نم لگنے کا اعتراف بھی کرتا ہے:

زفیضِ تربیتِ حضرتِ قتیل اختر | برزمگاہِ سخن شد مراز بان خنجر[۲۶]

توان درنکتہ سنجی دید ہمتای قتیل اختر | اگر دنیای دیگر آدم دیگر شود پیدا[۲۷]

ذرہ از خورشید دائم می نماید کسبِ نور | از قتیلِ اختر طریق نکتہ دانی یادگیر[۲۸]

اکبر علی سرہندی متخلص بہ اختر، جن سے فہرست نگار ایوانوف نے یہ دیوان منسوب کیا ہے، قلندر بخش جرأت[۲۹] اور سرور[۳۰] کے شاگرد تھے۔ وہ کیوں قتیل کو اپنا اُستاد تسلیم کرتے اور ان کی شاگردی پر فخر کرتے۔ اس لئے ظاہر ہے یہ دیوان اس اختر شاعر کا ہے جو قتیل کا شاگرد ہے اور اپنے اُس اُستاد پر فخر کرتا ہے۔ قاضی اختر، جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے قتیل کے شاگرد تھے[۳۱]۔ لہذا یہ دیوان اگر ان سے منسوب کیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

۲۔ قاضی محمد صادق اختر کے والد کا نام، جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے محمد لعل تھا۔ دیوان مذکور میں قاضی اختر نے ایک شعر میں اپنے والد کا ذکر اس طرح کیا ہے:

محمد لعل میرآں کو جالش | جہانی گوشِ پُرافشا نکردہ

یاد رہے کہ اکبر علی سرہندی کے والد کا نام میر عبداللہ تھا۔

(۳) اسی طرح صاحبِ دیوان اپنے ایک شعر میں اپنے وطن بنگال کا ذکر بھی کرتا ہے اور بنگال سے اپنے تعلق پر خود کو طوطیِ بنگالہ کے لقب سے پکارتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مخزن الجواہر لکھی تھی۔[1]

یہاں اس امر کی طرف اشارہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ قاضی محمد صادق اختر اپنے تذکرے آفتاب عالمتاب میں غالب دہلوی کا ترجمہ شامل کرنا چاہتے تھے۔ اس سلسلے میں انھوں نے غالب کے ایک دوست مولانا سراج الدین، جو کلکتے میں مقیم تھے، مدد چاہی۔ انھی کے توسط سے انھوں نے غالب سے درخواست کی کہ وہ اپنی زندگی کے حالات انھیں لکھ کر بھیج دیں تاکہ یہ حالاتِ زندگی آفتاب عالمتاب میں شامل کیے جا سکیں۔[2]

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اختر نے غالب کو اس بارے میں براہِ راست کیوں نہیں لکھا؟ اس کا جواب واضح ہے۔ اختر قتیل کے شاگرد تھے۔ غالب کے کلکتے میں قیام کے دوران غالب اور قتیل کے شاگردوں کے درمیان جو ادبی تنازعہ پیدا ہو گیا تھا اس کا سب ہی کو علم ہے غالب اس ادبی معرکے سے ناخوش رہے۔ ممکن ہے اسی وجہ سے اختر نے غالب کو براہِ راست نہ لکھا ہو اور غالب کے دوست سراج الدین کا توسط ڈھونڈا ہو۔ بہرحال غالب نے سراج الدین کے خط کے جواب میں اپنی مختصر سرگذشت انھیں لکھی اور وہیں سے اختر نے اسے اپنے تذکرے آفتاب عالمتاب میں نقل کیا ہے۔ غالب نے اپنے اسی خط میں قاضی محمد صادق اختر کا جس انداز اور جن الفاظ میں ذکر کیا ہے، اس سے قاضی اختر کی علمی، ادبی اور شاعرانہ حیثیت کا پتا چلتا ہے۔ اختر نے غالب سے یہ بھی فرمائش کی تھی کہ وہ اپنے اشعار کا انتخاب بھی روانہ کریں تاکہ وہ انتخاب آفتاب عالم تذکرے میں شامل کیا جا سکے۔ غالب نے جواب میں لکھا تھا:

خامہ گرد آور چشم و چراغِ دودمانِ سخن باشد و مہر و ماہِ آسمانِ ہنر یعنی صاحب دل، دیدہ ور قاضی محمد صادق خان اختر آنکہ فرود آمدن سخن از آسمان بذوق پیوند اندیشہ والای اوست و سجدہ ریز خرامیدن خامہ در نگارش بپاس آشنائی

© rasailojaraid.com

۲۲؎ نگہ آزادی اور (پنج آہنگ، غالب، باہتمام نورالدین احمد لکھنوی، مطبوعہ ۱۸۵۳ء، ص ۳۲۵)۔

اختر درج بالا مقامات پر اور مختلف حیثیتوں سے اپنی ذمہ داریاں نبھانے کے بعد لکھنؤ لوٹ آئے۔ ان کے آخری سرپرست واجد علی شاہ کو تو اپنے لکھنؤ میں آخری سانس لینے کا موقع نہیں ملا، لیکن اختر ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے دوران لکھنؤ ہی میں کسی وقت انتقال کر گئے۔[۲۳]

قاضی محمد صادق اختر کثیر التصانیف ادیب و شاعر تھے۔ عربی و فارسی میں دستگاہ رکھتے تھے۔ ان کی متعدد تصانیف آج بھی ہندوستان کے مختلف کتب خانوں کی زینت ہیں۔ ان میں سے بیشتر غیر مطبوعہ ہیں، لیکن یہ مختلف موضوعات پر تالیف ہوئی ہیں اور اپنے مؤلف و مصنف کے علمی تبحّر کی شہادت دیتی ہیں۔ قاضی اختر نے اُردو میں بھی طبع آزمائی کی تھی اور اُن کی اُردو شاعری کے نمونے بھی دستیاب ہیں۔[۲۴] اس وقت اختر کے فارسی دیوان کا ذکر مقصود ہے۔

قاضی محمد صادق اختر کا ایک نامکمل فارسی دیوان ایشیاٹک سوسائٹی کے کتاب خانہ میں محفوظ ہے۔[۲۵] اس ناقص الآخر دیوان میں صرف غزلیات مرقوم ہیں جو ردیف کے لحاظ سے حروفِ تہجی کے مطابق مُرتب کی گئی ہیں۔ یہ دیوان اواخر تیرھویں صدی ہجری / اُنیسویں صدی عیسوی میں خطِ نستعلیق میں کتابت ہوا ہے۔ اس میں ۵۵ ورق ہیں۔ کچھ اوراق سادے بھی چھوڑ دیے گئے ہیں۔ اس کا سائز ۶.۷۵ × ۱۰.۲۵ اِنچ ہے۔

یہ دیوان حمد میں اس شعر سے شروع ہوتا ہے:

ای بسملۂ نامت سرِ دفترِ عنوانہا   سررشتۂ توحیدت شیرازۂ دیوانہا

ایشیاٹک سوسائٹی کے فارسی مخطوطات کے فہرست نگار ایوانوف نے یہ دیوان

© rasailojaraid.com

نہیں، اس کی تصدیق کے لئے زیادہ منابع دستیاب نہیں۔ گمانِ غالب یہ ہے کہ اگر اختر کو ملک الشعرا کا خطاب دیا گیا ہوتا تو اس دور کے مختلف مآخذ اس اہم روداد کا ذکر ضرور کرتے چونکہ یہ کوئی معمولی اعزاز نہیں سمجھا جاتا تھا۔ کم از کم اختر خود کسی تصنیف میں اس کا ذکر ضرور کرتے۔

جب شاہ عالم کے لڑکے شہزادہ سلیمان شکوہ نے ۴-۱۲۲۳ھ/۱۷۶۹ء میں لکھنؤ سے راجپوتانے کا رُخ کیا[۱۳] تو اس کے مصاحبین و متعلقین روزی روٹی کی تلاش میں مختلف مقامات پر چلے گئے۔ غالباً اختر جو شاہزادہ سلیمان شکوہ سے کسی حیثیت سے وابستہ تھے، اس موقع پر کانپور منتقل ہو گئے۔ کانپور میں اختر انیس برس تک تحصیل داری کے فرائض انجام دیتے رہے۔[۱۴] امجد علی شاہ (متوفی، ۱۲۶۳ھ/۱۸۴۷ء) کے زمانۂ حکومت میں اختر پھر لکھنؤ میں نظر آتے ہیں۔[۱۵] ناصر نے یہ دلچسپ اطلاع بھی دی ہے کہ مرزا محمد تقی اختر، قاضی اختر، اور واجد علی شاہ (متوفی: ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۷ء) کے درمیان ایک ملاقات بھی ہوئی تھی۔[۱۶] اس کے علاوہ روز روشن سے بھی یہ علم ہوتا ہے کہ قاضی اختر۔ واجد علی شاہ کے آخری دورِ حکومت میں ان سے بھی وابستہ رہے تھے۔[۱۷] اسی ضمن میں ۳ر ستمبر ۱۸۴۹ء کے اس اخبار کی یہ خبر اور اشتہار اہمیت کا حامل ہے کہ واجد علی شاہ مجلۂ حیدری کا اُردو ترجمہ کرانا چاہتے تھے۔ اخبار مذکور کے ایڈیٹر نے قاضی اختر کا نام اس ذمے داری کو بخوبی نبھانے کے لئے تجویز کیا۔ اور لکھا کہ قاضی موصوف اس کام کے لئے مناسب ترین شخص ہیں۔ ۱۸ر اکتوبر ۱۸۴۹ء کے اسی اخبار کے ایک کالم میں یہ خبر بھی شائع ہوئی کہ قاضی اختر اٹاوہ میں بحیثیت تحصیل دار کے بھیج گئے ہیں۔[۱۸] تاریخ فرخ آباد کے مؤلف ولی اللہ بھی قاضی اختر سے فرخ آباد میں ملے تھے۔[۱۹] اس کے علاوہ قاضی اختر نے علی گڑھ میں سر ایلیٹ سے بھی ملاقات کی تھی اور ان کے کہنے پر انھوں نے ۱۲۶۳ھ/۱۸۴۷ء میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

در غزل خوانی بہ آئینہ مشرقیگی بلبل کجا است
خامۂ اختر زبانِ طوطیِ بنگالہ است ۳۵

یہ شعر ہمیں حافظ کے درجِ ذیل شعر کی یاد دلاتا ہے جو غالباً یہ شعر کہتے وقت خود شاعر کے لاشعور کے کسی گوشے میں بھی رہا ہو گا۔

شکر شکن شوند ہمہ طوطیانِ ہند ز ین قند پارسی کہ بہ بنگالہ می رود

اکبر علی متخلص بہ اختر سرہند کے رہنے والے تھے وہ بھلا خود کو طوطیِ بنگالہ کیسے کہہ سکتے تھے؟

۴۔ ان وجوہات کے علاوہ قاضی اختر نے لکھنؤ کی تعریف میں، جہاں اُن کی زندگی کا ایک حصہ گذرا تھا اور جہاں وہ اب ابدی نیند بھی سو رہے ہیں، اپنے کچھ اشعار اپنے تذکرے آفتاب عالمتاب میں نقل ہوئے ہیں:۔

جنّت است این بوستان ہجران لکھنؤ حور و غلمان شد دروی گلرخان لکھنؤ
غنچہ صد مشق شگفتن میکند در گلستان تا شود زیبِ گریبان بتان لکھنؤ ۳۶

ان شواہد کی بنیاد پر اس میں کوئی شک باقی نہیں رہ جاتا کہ یہ دیوان قاضی محمد صادق اختر سے منسوب ہونا چاہیئے اور اکبر علی سرہندی متخلص بہ اختر سے اس کا انتساب اشتباہ پر مبنی ہے۔

قاضی اختر کے اس دیوان سے ان کے سادہ، سلیس رواں اور دلکش اسلوب کا پتا چلتا ہے۔ اختر بھی بے شمار فارسی شاعروں کی طرح حافظ شیرازی کے دلدادہ اور اُن کی آفاقی شاعری، اچھوتے اسلوب اور پُر تاثیر اندازِ بیان کے معترف تھے اسی لئے وہ بھی شیراز ہی سے فیضِ معنی کی شراب کے طلب گار تھے۔

شرابِ فیضِ معنی اختر از شیرازی خواہد ۳۷ الا یا ایہا الساقی ادر کاسا و ناولہا

اختر نے اپنے درجِ ذیل شعر میں کسی موجد تخلص کے شاعر کا ایک مصرع بھارت کے ساتھ تضمین کیا ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سحرم مصرعِ موجدِ جوش آمد اختر — صبح خورشید رخاں چاک گریباں از کو [35]

اسی طرح اختر نے عشقی نام کے ایک شاعر کی فنی مہارت کا نہ صرف اعتراف کیا ہے۔ بلکہ اپنی شاعری پر ان کی شاعرانہ فوقیت کا اظہار کیا ہے:

ہم پیشہ ام اختر من و او لیک ز انصاف — عشقی سخن گستر فرزانہ بہ از من است [36]

اختر وسیع مشرب انسان تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ اگر ایک شخص کا دل نورِ خداوندی سے معمور ہے تو اس کے لئے کفر و ایمان کی گفتگو لایعنی ہے۔ ایسے روشن ضمیر انسان کے لئے دیر و کعبے میں امتیاز نہیں رہتا۔ وہ ان دونوں مقامات پر اپنے دل ہی کا نور دیکھ پاتا ہے۔

چو دل روشن بود کس کفر و ایمانش یکی باشد — بدیر و کعبہ یکساں طینت آئینہ را مانم [37]

بہرحال اختر نے فارسی شاعری کے خوبصورت، پُر بہار اور وسیع گلشن سے خوشہ چینی کی ہے، لیکن ان کے دیوان کا مطالعہ ان کے اس دعوے کا ثبوت ضرور بہم پہنچاتا ہے کہ انھوں نے بھی فارسی شاعری کے اس سرسبز و شاداب گلشن میں اپنی تازہ اور دلکش غزلوں کے پھول کھلائے ہیں:

بہر گل چیدن تواں رفت بگلشن اختر
من ہم آخر غزل تازہ و تر می بندم

حواشی

۱۔ اختر اپنی دو تصانیف حدائق الارشاد (ذخیرۂ سلام، علی گڑھ یونیورسٹی لائبریری شمارہ: ۳۵/۱۰۸۱) اور محامد حیدریہ (مطبوعہ نولکشور) میں اپنا نام صرف محمد صادق لکھتے ہیں۔ محامد حیدریہ کے مقدمے میں ان کے نام کے ساتھ خان کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اضافہ نظر آتا ہے۔ آبِ حیات (ص ۳۴۶) میں آزاد نے ان کے نام سے پہلے حاجی کا اضافہ بھی کر دیا ہے۔ اس کے برخلاف خود اختر اپنے تذکرے آفتاب عالمتاب میں اپنا نام محمد اختر لکھتے ہیں۔ بہر حال اختر کی زندگی سے متعلق تفصیلات سے کہیں یہ پتا نہیں چلتا کہ وہ حج پر گئے تھے۔ اس لئے اُن کے نام کے ساتھ حاجی کا استعمال محلِ نظر ہے۔

۲۔ ان کے تخلص اختر سے ۱۲۰۱ برآمد ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ اختر نے اپنے حدائق الارشاد میں جو ۱۲۲۹ھ میں مکمل ہوئی، اطلاع دی ہے کہ وہ ۲۵ برس کے ہو چکے ہیں۔ اس لحاظ سے بھی ان کی پیدائش ۱۲۰۱ میں قرار پاتی ہے۔

۳۔ خوش معرکہ زیبا: سعادت خان ناصر، تلخیص از عطا کاکوی، ۱۹۶۸، ص ۱۰۱۔

۴۔ اسپرنگر (ص ۱۶۶) نے ریاض الوفاق کے حوالے سے لکھا ہے کہ خود اختر کا نام محمد لعل تھا، لیکن یہ اشتباہ ریاض الوفاق میں نظر سے نہیں گذرا بلکہ خود اسپرنگر کو یہ اشتباہ کسی اور وجہ سے ہوا ہے۔ اختر کے والد محمد لعل کے بارے میں معلومات کے لئے رجوع کریں: کلینڈر آف پرشین کورسپونڈنس، ج ۱، ص ۳۸۴ (خدا بخش لائبریری)۔

۵۔ خوش معرکہ زیبا، ص ۱۰۱

۶۔ اختر کے معروف مگر کمیاب تذکرے آفتاب عالمتاب کے مفصل تعارف کے لئے رجوع کریں راقم کا مضمون 'غالب اور تذکرۂ آفتاب عالمتاب' غالب نامہ: جنوری، ۱۹۸۲ء،

۷۔ یہ اطلاع ہمیں اختر کی حدائق الارشاد سے ملتی ہے۔

۸۔ رجوع کریں مقدمہ حدائق الارشاد۔

© rasailojaraid.com